تعارف اھلحدیث

از متکلم اسلام حضرت مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ تعالی

ہم فرقہ واریت سے بالا ہیں

یہ عجیب بات ہے کہ اہل حدیث کا تصور دینی جس درجہ سادہ، سمجھ میں آنے والا اور قلب و روح کو حرارت و تپش عطا کرنے والا ہے، یار لوگوں نے اتنا ہی اسے الجھا دیا ہے اور اس کے بارہ میں ایسی ایسی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں کہ الامان و الحفیظ۔ سوال کم پڑھے لکھے یا جاہل کا نہیں، اچھے خاصے علماء کا ہے۔ ان حلقوں میں اگر کسی جانی پہچانی شخصیت کے بارہ میں بھولے سے کسی نے کہہ دیا یا لکھ دیا کہ صاحب وہ تو "وہابی، غیرمقلد، یا اہل حدیث ہے تو نہ پوچھئے صرف اتنا کہہ دینے اور لکھ دینے سے اس کے متعلق طبیعت اس تیزی سے بدل جاتی ہے اور اس کے خلاف نفرت و تعصب کے کتنے طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

نفرت و تحقیر کا یہ بادہ تلخ انگریز کے استعماری مصالح کے علاوہ اور کن کن مقدس ہاتھوں سے کشید ہوا ہے؟ اور تہمت کی اس سازش میں کس کس نے حصہ لیا ہے؟ کن کن عناصر نے اہل حدیث کے خلاف اس نفسیاتی مہم کو چلانے میں کامیاب کردار ادا کیا ہے؟ یہ ایک مستقل اور علیحدہ موضوع ہے جو مخصوص تحقیق و التفات چاہتا ہے۔
ہمارے نزدیک اس کے متعلق سردست تعرض کرنا موزوں نہیں کیونکہ
اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

تاہم اتنی بات کہہ دینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں کہ نفرت کی یہ مہم پورے زور و شور اور تنظیم کے ساتھ آج بھی جاری ہے، حالانکہ جماعت اہل حدیث کے عقائد و سرگرمیاں اور کارنامے کوئی ڈھکی چھپی نہیں اور کوئی چیز بھی ایسی تو نہیں جس میں اسلامی نظریہ و تصور سے کسی درجہ میں بھی انحراف پایا جائے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے ہم تو معتوب اور مستوجب تعزیر ہی اس بنا پر ہیں کہ ہم فقہ ہو یا کلام، تفسیر ہو یا حدیث و دین کے معاملہ میں بھی ادنی انحراف کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

ہمارا سیدھا سادہ عقیدہ یہ ہے کہ حق و صداقت کو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی میں محصور و منحصر مانو اور سعی و عمل یا فکر و عقیدہ کا جب بھی کوئی نقشہ ترتیب دو تو تابش اور ضو کے لئے اسی آفتاب ہدایت کی طرف رجوع کرو جس کو اللہ تعالی نے ساری کائنات انسانی کے لئے سراج منیر ٹھہرایا ہے۔

یاایہا النبی انا ارسلنک شاھداو مبشرا و نذیرا ہ و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔

یہاں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہم کسی طرح بھی تاریخی ارتقاء کے منکر نہیں، اور زمانے کے ناگزیر تقاضوں کے تحت فقہ و کلام کے سلسلہ میں ہمارے ہاں جلیل القدر علماء اور ائمہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان سے ذرہ برابر صرف نظر نہیں کرتے ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہ کی فکری و آئینی کاوشیں امام شافعی کی اصول فقہ و حدیث کی ترتیب۔ امام مالک کا اصحاب مدینہ کے تعامل کو دست برد زمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لینا اور امام احمد بن حنبل کی جمع حدیث کی وسیع تر کوششیں ہماری تہذیبی انفرادیت کا زندہ ثبوت ہیں، اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر ہم جس قدر بھی فخر و ناز کریں کم ہے۔ (رحمہم اللہ اجمعین)

ہم حق کو ان سب مدارس فکر میں جن کی ان بزرگوں نے بنیاد رکھی، دائر و سائر تو مانتے ہیں لیکن محصور و منحصر کسی میں بھی نہیں جانتے کیونکہ ہمارے نقطہ نگاہ سے صحت و صواب کی استواریاں غیر مشروط طور پر صرف کتاب اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کے ساتھ خاص ہیں۔

یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئی فردوه الی الله والرسول ان کنتم تومنون بالله والیوم الآخر ذالک خیر واحسن تاویلا۔ (النساء ۔ ۵۹)

ہمارے عقیدہ کی رو سے استدلال و تاویل کا یہی دو چیزیں نقطہ آغاز ہیں اور یہی نقطہ آخر، دوسرے لفظوں میں سورہ نساء کی اس آیت کو ہم PREAMBLE یا قانونی اساس سمجھتے ہیں، اس آیت ہی کے لب و لہجہ میں علماء سے کہتے ہیں کہ ہر متنازع فیہ مسئلہ میں اول و آخر کتاب و سنت ہی کی طرف رجوع کیجئے، تقلید کی اصطلاح میں پڑے بغیر کہ اس میں قدرے الجھاؤ اور جھول ہے، ہم محبت و وفا کی زبان میں دعوی داران عشق سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ خدارا آپ ہی بتائیے۔ اگر کسی گروہ نے یہ فیصلہ ہی کر لیا ہو کہ طلب و آرزو کے دامن کو وہ صرف انہی گل بوٹوں سے سجائے گا جو قرآن و سنت کے سدا بہار دبستان میں نظر افروز ہیں اور کچھ لوگوں نے ازراہ شوق یہی مناسب جانا ہو کہ ان کی نظر اگر کسب ضو کرے گی تو انہی انوار و تجلیات سے جو چہرہ نبوت کی زیب و زینت ہیں زمان و مکان کے فاصلوں کو ہٹا کر اگر کوئی بے تاب اور متجسس نگاہ اسی جمال جہاں آراء کا براہ راست مشاہدہ کرنا چاہتی ہے جس کی جلوہ آرائیوں نے عشاق کے دلوں میں پہلے پہل ایمان و عمل کی شمعیں فروزاں کیں تو آیا یہ کوئی جرم، گناہ یا معصیت ہے؟ اور اگر یہ جرم اور معصیت ہے تو ہمیں اقرار ہے کہ ہم وابستگان دامن رسالت اور اسیران حلقہ نبوت مجرم اور گناہ گار ہیں۔

تقلید و عدم تقلید کا مسئلہ دراصل فنی و علمی سے زیادہ نفسیاتی ہے، سوال یہ ہے کہ ٹھیٹھ اسلام کی رو سے ہماری اولین ارادات کا مرکز کون ہے، ہماری پہلی اور بنیادی وابستگی کس سے ہونی چاہیئے، اور پیش آمدہ مسائل میں، مشکلات کے حل و کشود کے سلسلہ میں ہمیں اول اول کس کی طرف دیکھنا چاہیئے، کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ

آلہ وسلم کی چشم کشا اور ابدی تعلیمات کی طرف یا فقہی مدارس فکر کی وقتی اور محدود تعبیرات کی طرف، اس سے قطع نظر کہ تقلید سے فکر و نظر کی تازہ کاریاں مجروح ہوتی ہیں اور اس سے بھی قطع نظر کہ اس سے خود فقہ و استدلال کے قافلوں کی تیز رفتاری میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہیں، اور تہذیب و فن کی وسعتیں، زندگی، حرکت اور ارتقاء سے محروم ہو جانے کے باعث حد درجہ سماؤ اختیار کرلیتی ہیں۔ اصل نقص اس میں یہ ہے کہ اس سے عقیدہ و محبت کا مرکز ثقل یکسر بدل جاتا ہے، یعنی بجائے اس کے کہ ہماری ارادت وعقیدت کا محور و قبلہ اول و آخر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رہے، ہماری عصبیتیں مخصوص فقہی مدارس سے وابستہ ہو کر رہ جاتی ہیں اور غیرشعوری طور پر قلب و ذہن اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ بحث و تمحیص کے مسئلہ میں کتاب و سنت سے کسی نہ کسی طرح مسائل کی وہی نوعیت ثابت ہو جو ہمارے حلقہ اور دائرہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہو حالانکہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ربط و تعلق کی کیفیتیں معروضیت (Dojcctivity) چاہتی ہیں اور اس بات کی مقتضی ہیں کہ بہر ہر مسئلہ اور امر میں نقطہ نظر کسی خاص مدرسہ فکر کی تائید و حمایت کرنا نہ ہو بلکہ اس شی کی تصدیق مقصود ہو کہ اخذ و قبول کے لحاظ سے کون صورت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے زیادہ قریب تر ہے۔

ممکن ہے اس پر کوئی صاحب کہہ اٹھیں کہ مسائل پر غور و فکر کرنے کا یہ تو محض ایک انداز ہوا یا زیادہ سے زیادہ اہل حدیث کی نفسیات دینی کی تشریح ہوئی، لیکن حل طلب سوال تو یہ ہے کہ صرف انداز فکر اور اسلوب استدلال سے کوئی مذہب یا مسلک کب متعین ہوتا ہے۔ مسلک اور مذہب کی تعیین کے لئے ضروری ہے کہ اہل حدیث کے مخصوص مابعد الطبیعاتی تصورات ہوں، علیحدہ اور ممیز علم الکلام ہو اور کتاب و سنت کی واضح تعلیمات پر مبنی اپنا علم الفقہ ہو اور اسی کی روشنی میں ان کی خاص تاریخ ہو جس سے کہ ان کے ارتقائے علمی کا پتہ چل سکے، اور معلوم کیا جا سکے کہ ماضی کے قریب و بعید کے مختلف ادوار میں انہوں نے مذہب و دین کی تشریح و تعبیر کے سلسلہ میں کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، یا اسلامی تہذیب و تمدن کی نشاط آفرینیوں میں ان کا کیا حصہ ہے؟۔

اعتراض بظاہر بہت وزنی ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارا مسلک واقعی "مذاہب مدونہ" کی فہرست میں شامل نہیں۔ یہ ایک مذہب ہے جس کے اصول اور کلامی و فقہی پیمانے گو متعین ہیں تاہم اصطلاحی معنوں میں یہ مذہب نہیں ہے، اس کے ماننے والوں کے باقاعدہ معمولات ہیں اور عقیدہ و عمل کا متعین قالب ہے۔ مگر اسے کسی لحاظ سے بھی گروہ نہیں کہنا چاہیئے اسی طرح اس کی اصلاح و تجدید کے کارناموں پر مشتمل اپنی ایک تابناک تاریخ بھی ہے لیکن یہ تاریخ صرف انہی کی تاریخ نہیں ہے، اسے پورے اسلام کی تاریخ قرار دینا چاہیئے۔

بظاہر یہ بات حد درجہ تضاد لئے ہوئے ہے لیکن ذرا غور کیجئے گا تو معلوم ہو گا کہ اسی تضاد میں اس ۔۔ بھی مضمر ہے، کون نہیں جانتا کہ پہلی صدی ہجری کے آخر ہی میں اسلام کو شدید نوعیت کے دینی و سیاسی انحرافات سے دوچار ہونا پڑا، اور تیسری صدی ابھی اختتام کو نہیں پہونچی تھی کہ ان انحرافات نے شدید نوع کے تعصبات کا روپ دھار لیا، اسی عرصہ میں مسئلہ امامت و خلافت کی وجہ سے شیعیت ابھری اور اس کے پہلو بہ پہلو ایک تاریخی حادثہ کی بناء پر خارجیت نے جنم لیا جس نے آگے چل کر مستقل فتنے کی شکل اختیار کر لی، انہی سیاسی اختلافات نے ارجاء کی مصلحتوں کو ہوا دی اور مسلمان مرجئہ اور غیر مرجئہ دو گروہوں میں بٹ گئے اور یونانی علوم کے فروغ و ارتقاء نے اعتزال و جہمیت کی تخلیق کی جس نے صدیوں تک مسلمانوں کو گونا گوں عقلی اختلافات میں الجھائے رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علمی و دینی حلقوں میں بیسیوں نئے مسئلے پیدا ہو گئے، صفات باری عین ذات ہیں یا غیر؟ استواء علی العرش کے کیا معنی ہیں؟ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ قدرت و استطاعت افعال سے پہلے ہے یا ان کے ہم قرین ہے؟ انسان مجبور ہے یا مختار؟ اللہ تعالی محالات پر قادر ہے یا نہیں؟ خلق شئی سے کیا مراد ہے؟ خورد سال اطفال قیامت کے روز عذاب کا ہدف بنیں گے یا نہیں؟ جنت و دوزخ عارضی ہیں یا دائمی؟ روح کیا ہے؟

یہ اور اس نوع کے عجیب و غریب مسائل جن کی وجہ سے اسلامی صفوں میں انتشار و تشتت کا پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ اسی دور میں غنوصیت (Gadticism) نے جس کے ماننے والے عراق میں کثرت سے تھے تصوف کو حریفانہ شکل میں پیش کیا اور تقدس و ریاضت کے بہ وصف اس یقین کو دلوں میں اتارنے کی کوشش کی کہ علوم نبوت کے مقابلہ میں عرفان و ادراک کا ایک اور یقینی ذریعہ کشف بھی ہے جس کی مدد سے براہ راست حقائق کونیہ و دینیہ کا پا لینا ممکن ہے۔

قریب قریب یہی وہ زمانہ ہے جس میں فقہی مذاہب مدون و مرتب ہوئے اور ان کے پرجوش حامی ایک دوسرے کے مقابل میں صف آرا ہوئے اور باقاعدہ مناظرہ و جدل کی بنیاد پڑی، اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ عصبیتیں ابھریں حلقے بنے اور آخر میں تقلید و جمود نے اسلامی معاشرہ کی اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یہاں غور طلب یہ نکتہ ہے کہ گمراہیوں کے اس ہجوم میں اسلام کی فطرت میں اصلاح احوال کی جو قدرتی صلاحیتیں تھیں کیا وہ چپ چاپ یہ تماشا دیکھتی رہیں، اور کسی گروہ، کسی جماعت کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ ان انحرافات کی نشاندہی کرے اور یہ بتائے کہ ان گمراہیوں کے مقابلہ میں اسلام کا صحیح صحیح موقف کیا ہے؟ خوش قسمتی سے واقعہ یہ نہیں ہے، تاریخ و سیر سے سرسری واقفیت رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ بفحوائے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر ہر دور میں ایسے لوگوں کا وجود رہا ہے کہ انہوں نے کلمہ حق کا برملا اظہار کیا

ہے۔جنہوں نے تجدید و اصلاح کی ذمہ داریوں کو سنبھالا ہے، اور اسلام کے چہرہ زیبا سے بدعات کے گرد و غبار کو دور کرنے کی مقدور بھر مساعی جاری رکھی ہیں۔جنہوں نے ذخائر حدیث کی حفاظت کی اور جنہوں نے عقائد کی پیچیدگیوں کو سلجھایا اور مروجہ فقہی مذاہب کے مقابلہ میں سنت پر مبنی، سنت سے مستنبط اور سنت سے قریب تر مسائل کی طرف فقہاء کی عنان توجہ والتفات کو موڑ دینے میں کامیابی حاصل کی ہے، یہ گروہ اہل الحدیث والسنۃ کا ہے۔

امام ابو الحسن اشعری نے مقالات الاسلامیین کی پہلی جلد کے آخر میں تقریبا پانچ صفحوں میں اس گروہ کے عقائد و سیرت کا ایک دل چسپ اور دل نواز نقشہ پیش کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے وسط تک اہل الحدیث والسنۃ کے سامنے کلام و فقہ کے کیا کیا مسائل تھے، اور ان حضرات نے ان مسائل کو کیونکر حل کیا، ہم اس سلسلہ میں دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اصلاح و تجدید کی یہ تمام کوششیں جو مختلف حلقوں اور مختلف زمانوں میں فقہ و کلام کی طرفہ طرازیوں کو کتاب و سنت کے سانچوں میں ڈھالنے کی غرض سے انجام پائیں۔ ہماری ہیں، ان کا علم الکلام ہمارا علم الکلام ہے، ان کی فقہ ہماری فقہ ہے اور ان کی تاریخ ہماری تاریخ ہے۔

لیکن اس کے باوجود ہم نے کسی متعین مدرسہ یا فقہ یا علم الکلام کے کسی بنے بنائے اصولوں کو اس بنا پر اپنانے کی کوشش نہیں کی ہے کہ مبادا ہماری عصبیتیں بھی اپنا موز بدل لیں اور بجائے اس کے کہ عقیدت و وابستگی کے داعیے براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے وابستہ ہیں، ہم بھی اس تضاد کا شکار ہو کر نہ رہ جائیں کہ جس کا ماضی میں تمام فقہی و کلامی مذاہب شکار ہوئے ہیں۔

گویا ہماری نفسیات دینی اور ہمارے جذبہ حب رسول کا تقاضا یہ ہے کہ فکر و عمل کی کسی صورت میں بھی ہم بجز کتاب اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فرمانبرداری کے اور کسی تقید، کسی تقلید اور انتساب کو اپنے لئے گوارا نہ کریں، اور زمان و مکان اور اشخاص وائمہ سے قطع نظر ہر اس سچائی کو اپنائیں، ہر اس استدلال کو تسلیم کریں اور تجدید و اصلاح کی ہر اس کوشش کو سراہیں جو قرآن و حدیث پر مبنی ہو، اور اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اسی حال میں ہمیں زندہ رکھے اور جذب و کیف کے اسی جانفزا عالم میں موت سے دوچار کرے۔

ربنا توفنا مسلما و الحقنی بالصالحین (آمین)